ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



ڈاکٹر مشتاق احمد ۞
پروفیسر ڈاکٹر ذوالقرنین احمد شاداب احسانی ۞۞

# پاکستانی کلچر کی بازیافت میں
# احمد ندیم قاسمی کی افسانہ نگاری: ایک مطالعہ

**The Role of Short Stories of Ahmed Nadeem Qasimi in the Discovery of Pakistani Culture has been highlighted.**

By *Dr. Mushtaq Ahmed, Lecturer, Department of Urdu, F. G. Sir Syed College, Rawalpindi.*
*Dr. Zulqarnain Ahmed Shadab Ehsani, Adjunct Professor, Former Head of Department of Urdu, University of Karachi.*

**ABSTRACT**

The Culture has an eminent role in the representation of nations, countries and their creative writings. So, cultural presentation in literature is very important. Ahmed Nadeem Qasmi, a well-known literary and poetic figure of Pakistan, played an important and major role to show the diverse, different and robust (urban and rural) shades of our culture in his short stories (Afsana). In this article, an effort has been made to show Qasmi's role in the cultural representation of our homeland through his stories.

**Keywords:** Short stories, Qasmi, Culture, Representation.

قوموں، خطوں، ملکوں کی شناخت، انفرادیت اور ممتازیت میں وہاں کے کلچر کا اہم کردار رہا ہے۔ آج بھی ہم تاریخِ تہذیب وثقافتِ قدیم کا مطالعہ کریں تو ان ہی قوموں کا نام اور ممالک کی شناخت ہمارے ذہن میں آتی ہے جو کلچر

---

۞ لیکچرر، شعبۂ اردو، ایف جی سر سیّد کالج، راول پنڈی۔

۞۞ ایڈجنکٹ پروفیسر، سابق صدر نشیں، شعبۂ اردو، کراچی یونی ورسٹی، کراچی۔

ISSN: 2519-6332 (Print),  ISSN: 2708-1915 (Online)



کو فروغ دیتے رہے۔ وقت کے تقاضوں کے ساتھ اپنے کلچر کو بھی ترمیم واضافہ سے بہتر بناتے رہے، عراق، مصر، ہندوستان، یونان، روم، فارس، چین، قدیم دور میں اسی کی بدولت دنیا میں شہرت رکھتے تھے۔ ان کے ادب میں بھی کلچر کی فراوانی اور ابلاغ ان کی حیات بڑھاتا رہا۔ ایلیڈ،اوڈیسی، شکنتلا، مہابھارت، رامائن، بدھ مت کے فرمودات وغیرہ آج بھی اس کلچر کی ترجمانی کرتے ہیں۔ اسی طرح کلچر کے ادبی فروغ میں مذہبی اور قومی خیالات وتصورات اور شعائر کا استعمال بھی اس کلچر کی اشاعت وابلاغ اور ادب کو ادبِ عالیہ بناتا ہے۔ اگر کلچر اور اس دور کے اشارے، سماج کے مسائل، لوگوں کا رہن سہن، ادب میں نہ ہو تو وہ سوائے صفحات کے کچھ بھی نہیں ہوتا اور بہت جلد اپنی موت آپ مرجاتا ہے۔

ادب کو توانا، مضبوط، دیرپا، پائیدار اور آدرشی ومقصدی بنانے کے لیے مقامی کلچر کا اظہار نہایت ضروری ہے اور جو ہر زندہ ادب کی علامت ہے۔

اردو ادب میں افسانہ نگاری کا آغاز ۱۹۰۳ء میں ہوتا ہے۔ یہ وہ دور ہے جب انگریز سرکار کے خلاف عوامی بیداری کے آثار نمودار ہو رہے تھے۔ سماجی، اصلاحی اور فکری تغیر پر عالمی جنگوں کے منظرنامے کا اثر بھی اس عہد کے منظرنامے پر اثرانداز ہو رہا تھا۔

اردو افسانے کی نوعیت بھی مذکورہ تغیرات کے زیرِ اثر نظر آتی ہے۔ افسانے کے موضوعی اور مقصدی رجحانات میں اصلاح پسندی، رومانیت، حقیقت نگاری، ترقی پسندی اور انقلابی حقیقت نگاری کے رجحانات ملتے ہیں۔ راشدالخیری، منشی پریم چند، سجاد حیدر یلدرم کا شمار اردو افسانہ کے بانیوں اور روایت پسندوں میں ہوتا ہے، یوں ان کی پیروی بھی خصوصاً پریم چند اور یلدرم کی ہمیں اردو افسانہ میں نظر آتی ہے۔ پریم چند نے جہاں یوپی کے دیہات کو موضوع بنایا تو وہ خطے جو آج پاکستان کے دیہی علاقوں پر مشتمل ہیں ان کی طرف توجہ نہ دی جاسکی۔ ہوسکتا ہے یہاں کے افسانہ نگار اس کو قابلِ تحریر ہی نہ سمجھتے ہوں۔

''انگہ'' وادیٔ سون سکیسر میں پیدا ہونے والا ندیم جب ۱۹۳۶ء میں افسانہ نگاری کا باقاعدہ آغاز کرتا ہے اور یہ وہی سال ہے جب ''انجمن ترقی پسند مصنفین'' قائم ہوتی ہے۔ تو اس نوجوان افسانہ نگار کے قلم نے یہاں کے بے زبان دیہی معاشرے کو زبان دی۔ یہاں کے خوب صورت موسموں کو آلودہ اور پراگندہ کرنے والے ناسوروں کو موضوع بنایا۔ یہاں کے دیہات کی معصوم اور سادہ فضاؤں میں زہر گھولنے والے عناصر کو بے نقاب کیا، یہاں کے پرندوں، جانوروں، درختوں، فصلوں، سبزیوں، ریگستانوں، صحراؤں، پہاڑوں، دریاؤں، لوک گیتوں، کھانوں، لباسوں کو یہیں کے پس منظر میں دیکھا اور ان کا مشاہدہ بھی کیا اور یہاں کے کلچر کی عکاسی بھی کی۔

یوں ندیم کے افسانوں کے تینوں ادوار ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۶ء تک، آزادی کے بعد سے ۱۹۶۳ء تک اور ۱۹۶۵ء

کی جنگ سے لے کر تادمِ حیات ندیم نے یہاں کے دیہات وشہر، یہاں کے مسائل، یہاں کے حالات، یہاں آنے والے تغیرات کو اپنے افسانوں میں اس طرح بیاں کیا کہ مقامی کا کلچر بھی نمایاں ہوا اور یہاں کے مسائل بھی بے نقاب ہوتے رہے۔

ڈاکٹر فوزیہ اسلم اس حوالے سے رقم کرتی ہیں کہ:

> ان افسانوں میں بھی اجڑے ہوئے گھروں اور خانماں ویران لوگوں کی داستانیں رقم ہیں وہ انسان دوست، ترقی پسند، اور سماجی حقیقت نگار ہیں۔ اگر چہ ان کے افسانوں پر گفتگو کرتے ہوئے ان کی افسانہ نگاری کو دیہاتی فریم میں فٹ کر دیا جاتا ہے، لیکن حقیقت ہے کہ ان کے افسانوں کا موضوع پورا پاکستانی معاشرہ اور اس معاشرے کے تمام طبقات ہیں۔[۱]

ندیم خانوں، کونوں، رجحانوں، تحریکوں میں تقسیم ہونے والا نہیں۔ ان کے افسانوں کا کینوس وسیع ہے اور موضوعات کے تنوعات اور رنگارنگی کے سبب ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں کے تمام طبقات اور پاکستانی معاشرے کے تمام موسموں، علاقوں اور منظروں کو وہ ان افسانوں میں سمو لیتے ہیں۔ یوں رومانی، حقیقی، ترقی پسند، دیہی، شہری، نسائی، مردانہ تمام عناصر کو ندیم نے اس طرح اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے کہ ہمارے کلچر کی بوقلمونی اس میں واضح ہوتی ہے۔

اور ندیم کسی منفی رجحان، فکر یا تحریک کا شکار نہیں ہوتے وہ اپنے آدرش کو صحیح معنوں میں پاکستانی کی نظر سے دیکھتے ہیں اور پھر اسے ضبطِ تحریر میں لاکر پاکستانی کلچر کی مکمل تصویر پیش کرتے ہیں:

> یہ اپنی تہذیب کی بنیادی اقدار پر اٹوٹ اعتماد اور انسان کی عظمت میں ناقابلِ شکست یقین ہی کا کرشمہ ہے کہ ندیم عصرِ رواں کی فنی اور فکری تحریکوں کے منفی رجحانات سے متاثر ہوئے بغیر ان سے فیض کر پائے۔[۲]

ندیم کے افسانے اس حوالے سے بھی زیادہ اہم ہیں کہ ان میں تحریکِ پاکستان اور پاکستان کے بدلتے ہوئے تناظر میں تہذیبی تاریخ بھی ساتھ چلتی ہے۔

''چوپال'' کے افسانے ''دیہاتی ڈاکٹر'' میں جس طرح ندیم نے ہندو مسلم منافرت کی عکاسی کی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ندیم ان حالات سے بخوبی آگاہ تھے اور تحریک پاکستان کی کوششوں میں مشغول بھی!

> بھائی آگ پانی میں کبھی ملاپ ہوا ہے؟ ہندو اور مسلمان اور مل کر رہیں؟[۳]

ندیم کی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے یہ الفاظ ایک ہندو کی زبان سے کہلوائے ہیں۔ اس طرح ندیم کا افسانہ ''ارتقا''

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



بھی بتدریج تحریکِ پاکستان کا احاطہ کرتا ہے اور یوں ایک المیہ پر مکمل ہوتا ہے۔ ندیم کے دل میں ایک پاکستانی، غیور دہقان اور پکے مسلمان کی فکر وسوچ ہے۔ یوں ان کے تمام افسانے بھی اسی سوچ اور فکر کی غمازی کرتے ہوئے پاکستانی کلچر کی تصویریں دکھاتے ہیں۔''رئیس خانہ، آتشِ گل، الحمداللہ، کنجری، گنڈاسا، بیٹے بیٹیاں، وحشی، امانت، جوتا، عالاں، نیلا پتھر، بے گناہ، دیہاتی ڈاکٹر، ننھا مانجھی، ہرجائی، وہ جاچکی تھی، غیرت مند بیٹا، پکامکان، گونج، کنگلے، طلوع وغروب، غریب کا تحفہ، سونے کا ہار، کانی آنکھ، کفارہ، پیپل والا تالاب، ٹریکٹر، لارنس آف تھیلیبیا، کپاس کا پھول، ماسی گل بانو، تھل، ست بھرائی، تبر، جب بادل امڈے، کفن دفن، بابا نور، پرمیشر سنگھ، گل رخے، موچی، مخبر، چڑیل، نامرد، سائے، گڑیا، بین، شہنشاہ، لسی'' میں جہاں ندیم نے پاکستانی دیہات کو مختلف رنگوں میں اجاگر کیا ہے تو وہیں ''گھر سے گھر تک، ہذا من فضلِ ربی، سلطان، بندگی، بے چارگی، فیشن، مائیں، پہاڑوں کی برف، آسیب، قرض، ایک یک لباس آدمی، چھلی، سناٹا، نمونہ، بارٹر، عورت صاحبہ، ہمہ بیگ، دوربین، خونِ جگر، زلیخا، حدِ فاصل، انصاف، مجبور'' میں پاکستانی شہروں کے مختلف روپ اور رنگ اکٹھے کر کے یہاں کے کلچر کی بوقلمونی، رنگارنگی کو ایک قومی پینٹنگ کی صورت بیان کیا ہے جس میں پاکستانی کلچر کے رنگوں کا حسن دیدنی ہے۔

اتنے وسیع کینوس اور وسیع تناظر میں ندیم نے بے شمار موضوعات چنے جن میں رومانی، حقیقت نگاری، ترقی پسندی، دیہی، شہری، نفسیاتی، طبقاتی، اسلامی تاہم ان تمام متنوع موضوعات پر پاکستانی کلچر کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔

پاکستان کے کلچر کے تناظر میں ندیم ایک بڑے افسانہ نگار کے روپ میں سامنے آتے ہیں۔ ندیم وقت کے ساتھ ساتھ دیہی کلچر اور دیہی سماج و معاشرت سے نکل کر شہروں کے سماج اور کلچر کو بھی اپنے افسانوں کا حصہ بناتے ہیں۔ ندیم ''کپاس کا پھول'' لکھ کر امن، آشتی اور اسلامی کلچر کی بھی غمازی کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کے افسانوں میں چوپال سے لے کر زمیں دار، جاگیردار کے ڈیرے، فصلوں میں کام کرتی دیہات کی الہڑ مٹیاریں بھی مسکراتی، گاتی، کام کرتی نظر آتی ہیں۔ ندیم کے ہاں ہماری دیہاتی تہذیب میں چلنے والا چرخہ بھی اپنی گھوں گھوں کی سریلی آواز میں چلتا دکھائی دیتا ہے تو وہیں مدھانیوں کی گھمر گھمر کی آوازیں اذانِ فجر کے ساتھ رکتی ہوئی سنائی دیتی ہیں۔ جو ایک طرف دودھ بلوتی بوڑھیوں کی صبح خیزی اور جفاکشی کو دکھاتی ہیں تو دوسری طرف ان کی اسلام اور شعائرِ اسلام کے ساتھ محبت، عقیدت، جذبے کی بھی عکاسی کرتی ہیں۔ زمینوں میں ہل چلاتے اور لوک سروں کے سر بکھیرتے گبھرو دہقان بھی ان افسانوں میں سانس لیتے ہیں تو ذیلدار، زمیندار، جاگیردار، کرسی نشین، تھانیدار کے ظلم کا شکار ہوتے، پٹتے، گرفتار ہوتے مزارعین اور کسان بھی اپنے اوپر ہونے والے ظلم کی داستانیں سناتے ہیں۔ غیرت مند اور غیور پیرو بھی ہے تو ''طلوع وغروب'' کا شہری شکاری غضنفر بھی اپنی ہوس بجھاتا نظر آتا ہے۔''طلائی مہر'' کی سونی بھی ہے تو اپلے تھوپتی ''غریب کا تحفہ'' کی خانی بھی اپنی بیوگی

کے حسن کو گوبر میں ملا رہی ہے۔ یہیں مجبور اور مقروض شوہر کی بیوی ''نوراں دھوبن'' بھی جسم بیچ کر قرضہ اتارتی ہے۔ تو ''وحشی'' کی بڑھیا کا غیور و غیرت والا بڑھاپا بھی ہے جو دیہی اور شہری معاشرت کا شاہکار ہے۔ یہیں ''رئیس خانہ'' کے فضلو کو ان کی غریبی دھوکہ دے رہی ہے اور سفلے کی لاٹ جیسی، مریاں کو وہ رئیس خانہ کے صاحب کی ہوس کے لیے پیش کرتا ہے تو ''تبر'' کا شہباز بھی اپنی غیرت اور محبت کا انتقام لیتا ہے۔ ''گنڈاسا'' کا مولا بھی ہے اور مولے کا گنڈاسا بھی، مولے کی ماں کا کردار دیہی کلچر کا نمائندہ ہے تو راجو کی سنہری لوئیں رومانی اور محبت کے جذبات کو مہمیز لگاتی ہیں۔ ''کپاس کا پھول'' کی عبادت گزار مائی تاجو بھی اپنا کلمہ لکھا ہوا خوب صورت کفن سنبھال کر رکھتی ہے اور راحتاں کی بے پردگی کو پردہ دیتی ہے۔ تو وہیں ''شہنشاہ'' کا نورا اپنا کفن ماسی گلائی کو دیتا ہے جس کی زباں پر گالیاں اور دل میں دعائیں ہیں۔ ''شاداں'' بھی بھاگتی نظر آتی ہے تو ''ست بھرائی'' کے بوڑھے والدین کی محبت بھی نظر آتی ہے۔ یہیں جوار کاٹتی، پنگھٹ پر جاتی، چھاچھ پلاتی، مویشی چراتی، لوک گیت گاتی ہوئی ناریاں بھی نظر آتی ہیں تو عبادت میں مگن ماسی گل بانو، مائی تاجو، بی بی گل بھی ہیں۔ یہیں باپ کی بیماری کے لیے کمالاں کنجری بنتی ہے تو ''رنگی'' لالی ہوتے ہوئے بھی باز کا شکار کرنا چاہتی ہے۔ ''سناٹا'' کی مہاجرت کر کے آنے والی کلثوم بھی ہے اور ''فیشن'' کی نجمہ اور اس کی نوکرانی حلیمہ۔ ''گھر سے گھر تک'' کی ملمع کاری، ریاکاری اور شہری کلچر کی عکاسی کرتی ہوئی خواتین بھی ہیں اور ''مائیں'' کی بیگم راجا بیگم خواجہ لڑائی کے باوجود مامتا کے جذبے سے بھرپور ہیں۔

چاک سے برتن بناتے کمہار بھی دکھائی دیتے ہیں، حقہ تازہ کرتے میراثی بھی، موچی کا بھی دیہی عکس ندیم نے پیش کیا ہے تو نائن، موچن، دھوبن، کمہارن کو بھی دیہی رنگوں میں رنگا ہے۔ مغربی کلچر سے مرعوب شہری مرد و زن بھی دکھائے ہیں اور ''سفید گھوڑا'' کے الیاس اور مجبور خواتین بھی پیش کی ہیں۔ تو ''پاگل'' کے اختلاطی اور مغربی کلچر سے متاثر نئی نسل کو بھی دکھایا ہے۔

الغرض شہروں کے کوچوان، بابو، کلرک، سیٹھ، بھی نظر آتے ہیں۔ تو یہاں کا شہری ماحول بھی اپنے کلچر کے ساتھ سانس لیتا دکھائی دیتا ہے۔ یہیں جھرنوں کا شور، بینڈے کی پی پی، بھیڑوں، بکریوں کی آوازیں ہیں تو شہروں میں کارخانوں کا دھواں، موٹر کے ہارن، شہری پالتو بلیاں، منڈیروں، لاری اڈوں، تانگہ اڈوں پر بھی بھانت بھانت کی آوازیں لگاتے اور گھات میں رہتے لوگ بھی نظر آتے ہیں بیر، گونگیر، آک، حنظل، کیکر، ببول، سرکنڈے، جنگلی گھاس اور بوٹیاں بھی ہیں تو شہروں کے بنگلوں میں رنگ برنگے پھول، پام، نرم گھاس اور جدید پھل پھول بھی ہیں، پھٹے لباس، ننگے بدن، بغیر جوتے کے پاؤں بھی ہیں، تو سرسراتی ریشمی ساڑھیاں، ٹائی، کوٹ اور بوٹ بھی ہیں۔ یوں رومانی، حقیقی ترقی پسند ندیم بھی نظر آتا ہے تو دیہی، شہری، پاکستانی، اسلامی کلچر کی ترجمانی کرتا احمد شاہ ندیم بھی نظر آتا ہے، اتنے تنوعات، اس

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



قدرت موضوعات، کے ساتھ ندیم نے جس قدر انصاف برتا ہے وہ ندیم کا ہی خاصا ہے اور یہی خاصا ندیم کو پاکستانی کلچر کا نمائندہ افسانہ نگار قرار دیتا ہے۔ یوں ان کے قد، مقام اور مرتبہ کی ہم سری کرنے والا مشکل سے ہی نظر آتا ہے۔

احتشام حسین کی رائے میں ندیم کی شخصیت بطور ایک ادیب کے کچھ یوں اظہار کرتی ہے۔

> ایک اچھے شاعر اور ا افسانہ نگار، ایک اچھے دوست اور اچھے انسان کی ساری خوبیاں قاسمی میں جمع ہوگئی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ انھیں پنجاب کے دیہاتوں نے، ماحول کی کش مکش نے، پیرزادگی کے اخلاقی تصور نے، علم و آگہی کی پیاس اور انسانی محبت کے احساس نے جو کچھ دیا ہے وہ ان کے حسین اور توانا پہلوؤں کو اپنے افسانوں اور اپنی نظموں کے ذریعے عام کر رہے ہیں۔(۴)

ندیم کے مقام و مرتبہ اور اردو افسانوی ادب میں کلچرل اظہار کے حوالے سے ندیم کو مقصود الٰہی شیخ اس طرح خراج تحسین پیش کرتے ہیں:

> احمد ندیم قاسمی کی دانش اور ان کے افکار ہمیشہ ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔ وہ سچے محب وطن تھے پاکستانی اعزازات ان کے لیے سچا اعزاز تھے۔ وہ اس لیے پوری اردو دنیا میں احترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔(۵)

محمد احسن فاروقی، ندیم کی انفرادیت اور مرتبہ کے بارے میں یہ رائے دیتے ہیں کہ:

> وہ نمایاں انفرادیت کے مالک ہیں اور ان کی یہی عظمت میرے لیے دلیل تھی۔(۶)

ندیم کی اس عظمت کو ڈاکٹر عبدالکریم خالد ان الفاظ کا جامہ پہناتے ہیں:

> اردو ادب کی تاریخ میں احمد ندیم قاسمی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ انھوں نے اپنے اظہارِ بیان کے لیے جس صنف کو بھی منتخب کیا، اسے قابلِ اعتبار بنا دیا۔(۷)

ندیم اپنے دور کے بہت بڑے افسانہ نگار تھے وہ عہدِ افسانہ ان سے ہی منسوب کئے جانے کے لائق ہے بھانت بھانت اور طرح طرح کے رجحانات اور تکنیکیں برتی جاتی رہیں لیکن ندیم نے سادگی کے ساتھ یہاں کی دھرتی اور مٹی سے جڑے انسانوں کو ہی اپنے افسانوں کا موضوع بنایا:

وہ بھی اس طرح کہ ہمارے کلچر کی اکائیاں ان میں جمع ہوگئیں۔ منشا یاد اس حوالے سے کہتے ہیں کہ:

> اللہ تعالیٰ نے انھیں اس قدر زرخیز دماغ اور تخلیقی توانائی عطا کی تھی کہ ان کے خیالات و افکار کا دریا کسی ایک صنف ادب میں سما ہی نہیں سکتا تھا سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



> ہر میدان میں خواہ شاعری ہو، افسانہ نگاری ہو، مکالمہ نویسی ہو یا کالم نگاری، اپنی الگ اور منفرد پہچان رکھتے تھے۔ وہ افسانے کے اس دور کے جسے سنہری دور کہا جاتا ہے۔ آخری اور اہم ترین افسانہ نگار بھی تھے۔(۸)

ندیم کے پہلے افسانے سے ہی جو ''چوپال'' میں ''بے گناہ'' کے نام سے شائع ہوا۔ اس کی تعریف منٹو نے ندیم کو خط لکھ کر کی۔ یہ افسانہ اختر شیرانی کے رسالے ''رومان'' لاہور میں شائع ہوا تھا۔

> افسانے میں Objective ٹچ اور Atmospheric ٹچ بہت پیارے، موزوں ومناسب اور بے حد اچھے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کے مختصر افسانے میں دوتین عروضی مناظر بہت Apealing ہیں۔(۹)

ندیم کا یہ افسانہ دیہی فضا اور کلچر کی عکاسی کرتا ہے اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے ندیم کا کلچرل رجحان کس قدر تھا۔ ندیم کے مقام ومرتبہ کے بارے میں ان افسانوں کی ترغیب دینے والے صادق ایجرٹن کالج میں ان کے ہوسٹل فیلو محمد خالد اختر اس طرح اظہار کرتے ہیں۔ ان کا یہ مضمون ''افکار'' میں شائع ہوا۔

> ندیم نے اردو زبان میں بڑے اچھے افسانے لکھے ہیں اور مختلف اسالیب (Genres) میں بعد کی کہانیوں میں فارم کی پرفیکشن اتنی نمایاں ہے کہ وہ واقعی شاہکار کہی جاسکتی ہیں ااور اگرچہ اس کی پہلی پہلی کہانیاں اصلی اور سچی دیہاتی فضا کے ساتھ قدرے جذباتیت سے رنگی ہیں۔ اس کے نکتہ چین جو اس کو بڑاافسانہ نگار تسلیم نہیں کرتے اس کے پاسنگ بھی نہیں۔(۱۰)

ندیم کی افسانہ نگاری اور افسانوں کی وسعت پورے پاکستانی سماج کو محیط ہے، جزئیات اور اکائیوں سے جڑے یہ کلچرل شاہکار دیہات وشہر میں مقید نہیں کئے جاسکتے اور نہ ہی رومان وحقیقت نگاری میں۔ ایک بڑاادیب اور فن کار کسی ایک سانچے میں فٹ نہیں کیا جاسکتا۔ یوں ندیم کو بھی دیہی یا شہری، رومانی یا ترقی پسند کی بندگلیوں میں نہیں بلکہ ندیم ایک وسیع کینوس پر محیط اور کبھی کبھی بین الاقوامیت کو بھی چھوتا نظر آتا ہے۔ تاہم یہاں بھی اس کی پاکستانیت یہاں کی معاشرت اور کلچر ندیم کے ہمراہ ہی ہیں۔

پروفیسر قیصر نجفی کہتے ہیں:

> قاسمی صاحب کی افسانہ نگاری کا کینوس بھی بے حد وسیع ہے جو سماجی، معاشرتی، معاشی، نفسیاتی اور تقسیم کے بعد ہجرت سے پیدا ہونے والے متنوع مسائل پر محیط ہے ان کے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



بیشتر افسانوں کو اعلیٰ ادبی شہ پاروں کا درجہ حاصل ہے۔(۱۱)

اپنی مٹی سے جڑی ہوئی کہانیوں کو بازیافت کرنے والے ندیم کے بارے میں فوزیہ اختر اس طرح اظہار کرتی ہیں:

> قاسمی صاحب کے تمام افسانوی تجربات اپنی مٹی، تہذیب، روایت، تجربے اور جڑ سے جڑے ہوئے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانے ماضی کی روایت، حال کے تقاضوں اور مستقبل کے امکانات سے مزین دکھائی دیتی ہیں۔(۱۲)

اسی طرح سے ندیم کی کئی کہانیاں اور افسانے عالمی شہرت حاصل کر چکے ہیں اور دیگر زبانوں میں ان کے تراجم بھی ہو چکے ہیں۔

ندیم نے اپنے کلچر کے ابلاغ اور تشہیر کے لیے شعوری یا لاشعوری طور پر بین الاقوامی معیار کے افسانے بھی لکھے ہیں:

> اردو افسانے کو عالمی معیار پر لانے کے لیے جن افسانہ نگاروں نے کاوش کی ان میں احمد ندیم قاسمی صف اول میں نظر آتے ہیں۔ انھوں نے زندگی کا قریب سے مشاہدہ کیا اور ایسے کرداروں کو چنا جو ہماری نمائندگی کرتے ہیں۔ ان کے افسانے ہماری زندگی کے تمام پہلوؤں کی عکاسی کرتے اور جینے کا حوصلہ دیتے ہیں۔(۱۳)

ان تمام اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ندیم نے اعلیٰ فنی، تکنیکی اور شاہکار افسانے تخلیق کیے ہیں جن کی جڑیں یہاں کے کلچر میں پیوست ہیں یوں ندیم نے یہاں کے مسائل کو اسی کلچر کے حوالے سے بیان کیا ہے یہ افسانے خواہ کسی بھی دور میں لکھے گئے، تاہم ان میں ہماری زمین یہاں کی وادیوں، دیہاتوں اور شہروں سے جڑے ہوئے سماج اور کلچر کی نہ صرف نمائندگی ہوتی ہے بلکہ ابلاغ اور آبیاری بھی ہوتی ہے۔ ندیم نے ہمارے بڑے موضوعات کو اس طرح دکھایا ہے کہ ان موضوعات پر لکھے گئے افسانوں میں ندیم کے افسانے کے بغیر اردو ادب کی افسانوی تاریخ تہذیبی حوالے سے ادھوری ہے۔

جنگ کے پس منظر، قحط، غلامی، جنگ کے نتائج اور اثرات پر ''ہیروشیما سے پہلے، ہیروشیما کے بعد، جیسے افسانے ہماری افسانوی ادب کی تاریخ میں کمیاب ہیں۔ اسی طرح سے فسادات، مہاجرت، انسان دوستی اور انسانیت کے حوالے سے ''پرمیشر سنگھ'' ایک لازوال افسانہ ہے جس میں قیام پاکستان، فسادات کے علاوہ دو عظیم تہذیبوں اور ان کے کلچر کے تفاوت کو ندیم نے خوب صورتی سے اجاگر کیا ہے۔ چند مکالمے ملاحظہ کیجیے:

> کیا پڑھ رہے تھے، پرمیشر سنگھ نے پوچھا، پڑھوں؟'' اختر نے پوچھا۔
>
> ہاں ہاں۔ پرمیشر سنگھ نے بڑے شوق سے کہا۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



اور اختر قل ہو اللہ احد پڑھنے لگا۔ کفواً احد پر پہنچ کر اس نے اپنے گریبان میں چھوکی اور پرمیشر سنگھ کی طرف مسکرا کر دیکھتے ہوئے بولا، تمھارے سینے پر بھی چھوکر دوں۔ (۱۴)

ندیم نے اسی افسانے میں یہاں نیکی، انسانیت اور بھلائی کو چنا ہے تو وہیں ان دونوں تہذیبوں کے تفاوت اور تخلیق پاکستان کی کلچرل وجوہات کو بھی ان علامات میں آشکار کیا ہے۔

وہ کچھ دیر ٹیلے پر کھڑا رہا جب اچانک کہیں بہت دور سے اذان کی آواز آنے لگی اور اختر مارے خوشی کے یوں کودا کہ پرمیشر سنگھ اسے بڑی مشکل سے سنبھال سکا۔ اسے کندھے پر سے اتار کر وہ زمین پر بیٹھ گیا اور کھڑے ہوئے اختر کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر بولا، جاؤ بیٹے، تمھیں تمھاری اماں نے پکارا ہے۔ بس تم اس آواز کی سیدھ میں۔

شیش!، اختر نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ دی اور سرگوشی میں بولا، اذان کے وقت نہیں بولتے۔ (۱۵)

یوں ندیم نے پاکستانی کلچر کی ان مذہبی ترویجات کو بھی اس افسانے میں نمایاں کیا تو ساتھ ہی پاکستان کے قیام، اس سے جڑے نظریات اور خیالات اور دل میں گھر کئے ہوئے کلچر کی بھی تہذیبی دلیل پیش کی ہے۔ غور کریں تو ندیم نے ہمارے کلچر کے اسلامی پہلوؤں کو بھی شعوری اور لاشعوری طور پر آشکار کیا ہے۔

جنگ اور امن، ایثار، قربانی، دیہاتی معصومیت، سادگی کے حوالے سے ''کپاس کا پھول'' ایک شاہکار افسانہ ہے۔ دیہی پہلوان اور وہاں کے ماحول، محبت و نفرت انتقام، کے حوالے سے ''گنڈاسا'' اپنی مثال آپ ہے۔ بلونت سنگھ کا ''جگا'' بھی اسی طرز پر لکھا گیا لیکن وہاں مشرقی پنجاب کے کلچر کی نمائندگی ہے اور ماحول میں تناؤ زیادہ معلوم ہوتا ہے یہ افسانہ رومانویت کے ساتھ ہمارے دیہی کلچر کا نمائندہ ہے۔ ''مامتا'' میں ماں کی محبت سرحدیں پھلانگ کر ایک عالمی ماں کی مامتا کا روپ دھار لیتی ہے۔ تو ''لارنس آف تھیلیبیا'' ہمارے دیہی کلچر کے لیے نیا عہد نامہ ہے طبقہ، نسواں پر لکھے گئے چند اہم پر تاثیر، اور شاہکار افسانوں میں ندیم کا ''سناٹا'' بھی شمار کیا جاتا ہے جس کی ہیروئن کلثوم مرد بیٹا کے روپ میں اپنے جذبات، احساسات کا قتل آہستہ آہستہ ہوتے دیکھتی رہتی ہے اور اپنی جنسی ناآسودگی کا شکار ہو جاتی ہے۔ اور کس طرح اپنے پورے خاندان کی کفالت اکیلی لڑکی کرتی ہے۔ اس میں مہاجرت کا دکھ، اپنوں کی بے رخی اور شہری مسائل کو پیش کیا گیا ہے۔ ''کفارہ'' میں ذیلدار، پولیس، تھانہ کے کلچر کو دہقانوں کا استحصال کرتے دکھایا گیا ہے۔ تو موچی، جوتا، شیش محل، بیٹے بیٹیاں میں گاؤں کے کمیوں کی تصویر کشی کلچرل حوالے سے کی ہے۔ ''سلطان'' شہری معاشرت میں گداگری کو جہاں عیاں کرتا ہے تو علامتی حوالے سے پورے پاکستان کا بھی نمائندہ ہے۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



''وحشی'' ایک دیہی غیور بڑھیا کی جفاکشی، محنت کو پاکستانی دیہی کلچر میں آشکار کرتا ہے تو ساتھ ہی شہری کلچر کی بھی نمائندگی کرتا ہے۔ ''بابانور'' ایک اعلیٰ قسم کا کرداری افسانہ ہے جو دیہات کے بوڑھے بزرگوں کی نمائندگی کرتا ہے۔ ''بین''، مقبروں، مجاوروں، سجادہ نشینوں کے جنسی استحصال کی علامت ہے اور اردو ادب میں اپنی نوعیت کا کرب، دکھ اور المیے کے ساتھ انفرادیت رکھتا ہے۔ یوں ندیم کے یہ افسانے ہمارے قومی کلچر کی جزئیات کے عکاس ہونے کے ساتھ ساتھ بطور کلچر کا ترجمان ندیم کو بھی آشکار کرتے ہیں۔

آغاز سہیل ندیم کے بارے میں اس حوالے سے کہتے ہیں کہ:

> ثقافتی لحاظ سے ندیم پنجابی ہیں، لیکن ایسے پنجابی جن کی پنجابیت پر پیار آتا ہے، انھوں نے اپنی شاعری اور اپنے افسانوں میں جس طرح پنجاب کو پیش کیا ہ وہ حقیقی پنجاب ہے اور اس پنجاب کے پیچھے چھپا ہوا انسان حقیقی پنجابی ہے لیکن یہ پنجابی اول و آخر جس طرح ترقی پسند ہے اسی طرح پاکستانی بھی ہے یعنی اول و آخر پاکستانی۔(۱۶)

اسی طرح ندیم کے فن اور اسلوب اور مقام و مرتبہ کے بارے میں اسلوب احمد انصاری اس طرح رائے دیتے ہیں:

> پریم چند کے دور کے بعد جن افسانوں نگاروں نے اردو افسانے کی روایت کو آگے بڑھایا اور اسے سستے پروپیگنڈے کا آلۂ کار نہ بناتے ہوئے زندگی اور سماج کی سنجیدہ فنی تنقید کے لیے استعمال کیا، ان میں احمد ندیم قاسمی کا نام ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔(۱۷)

اپنے اس مضمون کے اختتام پر اسلوب احمد انصاری نے یوں خراجِ تحسین دیا ہے۔

> قاسمی اردو کے صفِ اول کے افسانہ نگاروں میں شمار کیے جانے کے مستحق ہیں۔ ان کا مشاہدہ گہرا اور بے جھجک اور انسانی فطرت کے پیچ وخم سے ان کی واقفیت بڑی دوررس اور بلیغ ہے وہ زندگی کی سفاک حقیقتوں پر کوئی رنگین پردہ نہیں ڈالتے اور انسانوں کے عنصری محرکات کو ان کے اصلی رنگ میں پیش کرنے سے نہیں جھجکتے۔(۱۸)

ندیم کی اس خاصیت وخصوصیت کے بارے میں ڈاکٹر قمر رئیس اس طرح بے لاگ تجزیہ کرتے ہیں کہ:

> وہ پریم چند کی طرح ایک احساس اور درد بھرا دل لیکن ان سے زیادہ ترقی یافتہ سائنسی ذہن رکھتا ہے۔(۱۹)

اسی مضمون میں قمر رئیس ندیم کے کلچرل اور ترقی پسندانہ خیالات کو اس طرح یک جا کرتے ہیں:

> یہ صحیح ہے کہ اس مدت میں قومی اور ثقافتی زندگی کے بعض مسائل کے بارے میں ندیم کا

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



جو رو بہ رہا ہو کسی مارکسی اور تاریخ کے مساوی نقطۂ نگاہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا لیکن اس کے وصف میں سمجھتا ہوں کہ اس کی تخلیقات اپنے عہد کی طبقاتی آویزش کا بڑا تابناک اور گہرا نقش پیش کرتی ہیں وہ اپنے تجربات اور ذہنی کوائف کو تاریخی پس منظر اور مادی حقیقتوں کی روشنی میں ہی پیش کرنے پر اصرار کرتا ہے۔ اس کی انسان دوستی کی دھیمی دھیمی آنچ اس کے تخلیقی جوہر کو ہمیشہ نکھارتی اور سنوارتی رہی ہے۔(۲۰)

ندیم نے شہروں اور دیہاتوں سے کردار اس طرح منتخب کئے ہیں کہ خود بخود پاکستان کا کلچر ان میں جھلکتا ہے۔

ندیم نے دیہات کی معاشرت، سیاست اور نزاکت کے ساتھ ساتھ دیہاتیوں کے سپنوں، امیدوں، آرزوؤں مایوسیوں، الجھنوں اور مسائل کا بھرپور مطالعہ کیا ہے۔(۲۱)

علی حیدر ملک نے ندیم کے اس کلچرل پہلو کو اس طرح اجاگر کیا ہے:

دراصل قاسمی ایک ایسے افسانہ نگار ہیں جن کے اظہار کا وسیلہ تو فن ہے لیکن وہ صرف فن کے نمائندہ نہیں ہیں، بلکہ اپنی تہذیب اور اپنے عہد کی تاریخ کی نمائندگی بھی کرتے ہیں۔(۲۲)

درحقیقت ندیم کے موضوعات کا تنوع ہی ان کو پاکستان کے کلچر کا نمائندہ افسانہ قرار دیتا ہے۔

احمد ندیم قاسمی اس اعتبار سے اردو افسانے کی ایک ممتاز و ممیز آواز ہیں کہ انھوں نے کسی بھی موضوع کو اپنے لیے شجرِ ممنوعہ نہیں جانا۔(۲۳)

ندیم کا اپنی دھرتی سے یہ لگاؤ، پیار، محبت اور کلچر کے اظہار کے پیچھے ایک ہی خصوصیت نظر آتی ہے کہ ندیم ایک محب وطن، اپنے کلچر کے داعی اسلامی عقائد پر کاربند افسانہ نگار ہیں۔ وہ اپنے افسانوں میں نہایت سادگی کے ساتھ اس کا اظہار بھی کر جاتے ہیں۔

ندیم کے افسانوں میں زمین اور انسان سے ان کی بے پایاں محبت اور بھی کھل کر سامنے آتی ہے، ان کا تخیل پنجاب کی فضاؤں میں چپے چپے سے روشناس ہے اور اس نے لہلہاتے کھیتوں، گنگناتے دریاؤں اور دھوپ میں جھلستے ہوئے ریت کے زروں کو ایک نئی زبان دی ہے۔ نئی معنویت عطا کی ہے۔(۲۴)

ڈاکٹر محمد عالم خان اپنے مضمون ''احمد ندیم قاسمی: حالاتِ زندگی'' میں ندیم کے فن، نظریہ اور ان کی انفرادیت و ممتازیت کو یوں بیان کرتے ہیں:

احمد ندیم قاسمی کی افسانہ نگاری کا مجموعی جائزہ لیں تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



ہوجاتی ہے کہ وہ اپنے فن کو سائنٹفک نظریہ حیات سے وابستہ کرکے اسے آفاقیت کی سطح پر لے گئے ہیں اور یہی امر اُن کے فنِ افسانہ نگاری کا طرّہ امتیاز ہے جو انھیں اپنے ہم عصر افسانہ نگاروں سے ممتاز قرار دیتا ہے۔(۲۵)

اسی مضمون میں ندیم کی صداقت، سچائی، حقیقت نگاری، سماجی مسائل اور ان کے اپنے کلچر کی ترجمانی کے حوالے سے ڈاکٹر محمد عالم خان تحریر کرتے ہیں

احمد ندیم قاسمی نے اپنی افسانہ نگاری میں اپنے عہد کی عصری صداقتوں کو اور سماجی شعور کو بڑی جرأت و بے باکی سے قلمبند کیا ہے جس کی بنیاد پر انھیں اردو کی تاریخ میں فراموش نہیں کیا جا سکتا۔(۲۶)

ندیم کی کلچرل مساعی، جو اُن کے افسانوں میں درآئی ہے۔ دیہات سے لے کر شہر تک، چرخے سے لے کر کارخانوں تک، ہل اور بیل سے لے کر ٹریکٹر تک، لوک گیت اور بھنگڑا، لڈی، گدھا سے لے کر جدید ناچ گانے تک، اونٹ اور ریڑھے کی سواری سے لے کر کار میں سوار ہونے تک۔ جانوروں کے ساتھ جھونپڑی اور گوبر میں سونے سے لے کر بنگلوں میں نرم و گداز اطلس و کمخواب اور خوشبوؤں کے بھبھوکے تک۔

الغرض ان میں ندیم کا گہرا مشاہدہ نظر آتا ہے۔ پاکستان کے کلچر کی تاریخ مرتب کرنے کے لیے اور پاکستان کا مطالعہ کرنے کے لیے ندیم کے افسانوں کا مطالعہ ناگزیر ہے۔

یہی وجہ ہے کہ تسنیم منٹو نے لکھا ہے کہ:

تہذیب و تمدن، قاسمی صاحب نے سیکھا نہیں تھا۔ یہ سب ان کے Gene میں تھا اور جو چیز جین میں ہو اس میں تصنع نہیں ہوگا۔(۲۷)

اسی بنا پر ڈاکٹر سلیم اختر کہتے ہیں:

احمد ندیم قاسمی محض ایک افسانہ نگار کا نام نہیں بلکہ ایک ایسے افسانہ نگار کا نام ہے، جس نے افسانہ میں حقیقت نگاری کی روایت کو استحکام بخشا۔ انھوں نے بہ طورِ خاص دیہات کی زندگی کے حسن کے ساتھ ساتھ وہاں کے افراد کی مجبوریوں کی مرقع کشی کی۔ ان کے افسانوں میں فطرت پوری رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر نظر آتی ہے اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ یہ ان کے مشاہدات کا ثمر تھا۔(۲۸)

احمد ندیم قاسمی ایک وسیع کینوس اور تنوعات موضوعات کے حامل افسانہ نگار ہیں۔ اکائیوں اور رجحانوں میں بٹنے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



والے نہیں ہیں۔

ان کی کہانیوں کے موضوعات بھی استعماریت کے شکار مزدور، غریب عوام، ظالم جاگیردار اور طوائف ہیں اور یہ سب کردار شہری زندگی کے بھی ہیں اور دیہی زندگی کے بھی۔ انھوں نے کبھی سماجی مسائل کو نظرانداز نہیں کیا اور ان کی کہانیوں میں ان کو بڑی اہمیت حاصل رہی۔(۲۹)

اس کی مثالیں ہمیں سناٹا، ماسی گل بانو، الحمداللہ، سفارش، بدنام، کنجری میں نظر آتی ہیں:

ذراسی دیر کے بعد سعید میرے پاس آیا اور دس روپے کا نوٹ میرے سامنے رکھ کر بولا، نوراں کہتی ہے یہ اسے واپس دے دو اور کہو اب اس کی ضرورت نہیں۔ اب میرا گھر والا نوکر ہوگیا ہے۔(۳۰)

''سناٹا'' جو شہری معاشرت میں لکھا گیا ہے اور خواتین پر لکھے گئے افسانوں میں سے بہترین افسانوں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔

اور اس سناٹے کو کلثوم کی غیر قدرتی آواز نے تلوار کی طرح کاٹ دیا، اگر یہ بات ہے تو میں شادی نہیں کروں گی!

سب کی مسکراہٹیں مٹ گئیں اور مٹی ہوئی جھریاں ابھر آئیں۔

جمال سے بھی؟، اماں نے جیسے واسطہ دیتے ہوئے پوچھا۔ جی ہاں، کلثوم کی آواز غیر معمولی طور پر بھاری اور گونجیلی ہورہی تھی۔

میں جمال سے بھی شادی نہیں کروں گی۔ میں کسی سے بھی شادی نہیں کروں گی۔

کیوں؟ اماں نے اب غصے سے پوچھا۔

اور کلثوم نے اپنے اوپر کے ہونٹ والے روئیں چھوکر کہا۔

میں مرد بن چکی ہوں!، اور پھر وہ بڑی بے پروائی سے انگلی اٹھا کر ہوا میں دستخط کرنے لگی۔(۳۱)

ندیم کی اسی وسعتِ موضوعات اور سماج کی نمائندگی اور حقیقت نگاری کے سبب رفعت سروش نے لکھا ہے کہ:

یقیناً ادب اس ملک یا قوم کی تہذیب کا آئینہ دار ہوتا ہے جن میں وہ تخلیق پاتا ہے مگر وہ تہذیب کے تابع نہیں رہتا بلکہ اس تہذیب میں مثبت اضافے کرتا چلا جاتا ہے۔(۳۲)

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



ندیم نے اپنی ادبی تخلیقات کے ذریعے اس کو سچ کر دکھایا ہے۔ ندیم کا پاکستانی کلچر کے تناظر میں جائزہ لیں تو تمام کلچرل اکائیاں ان کے افسانوں میں آ کر جمع ہو جاتی ہیں۔ جس طرح ندی نالے، برساتی نہریں، چشمے آ کر دریاؤں میں ملتے ہیں اور پھر آخر یہ دریا پنجند کے مقام پر دریائے سندھ میں شامل ہو جاتے ہیں اور پھر وہ رینگتا، بل کھاتا، اچھلتا، مچلتا، پرسکون اور سیراب کرتا ہوا چلا جاتا ہے۔ یوں ندیم کے ہاں بھی کلچرل اکائیاں اسی طرح جم جاتی ہیں اور وہ ان کے اظہار سے افسانوی ادب میں پاکستانی کلچر کی ترجمانی کرتا ہے۔ اس لحاظ سے ندیم کا مقام و مرتبہ انفرادیت لیے ہوئے بھی ہے انوکھا بھی ہے، جداگانہ بھی، ممتاز و ممیز بھی اور یہاں کے مسائل کا پارکھ بھی۔

مارشل لا کے دور میں ۱۹۸۰ء میں اہلِ قلم کانفرنس میں ندیم نے ''ادیب اور مملکت'' کے نام سے خطبہ پڑھا تو اس میں ادیب کی اس طرح پہچان کرائی ہے:

> ہم ادیب اپنی قوم کا ایک ناگزیر اور حساس ترین حصہ ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ادب پیدا کرنے کے لیے محض تخلیقی قوت ہی کی نہیں۔ بھرپور تخلیقی تجربے کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور ہم یہ تخلیقی تجربہ اپنے کروڑوں عوام کے ساتھ مل بیٹھنے سے، ان کے مسائل اور ان کی سوچوں کو سمجھنے سے اور ممکن حد تک ان کی جہدِ حیات میں شرکت کر کے حاصل کرتے ہیں۔ کیوں کہ اپنے قومی کلچر کو قوم میں جذب ہو کر ہی سمجھا جا سکتا ہے۔ (۳۳)

جب ہم ندیم کے افسانوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو شعوری اور لاشعوری طور پر ہم پر یہ وا ہوتا جاتا ہے کہ ندیم نے قوم میں جذب ہو کر ان کے کلچر کا مشاہدہ کر کے، سماج کے مسائل کو سمجھ کر پاکستانی کلچر کے تحت ان کو عیاں اور نمایاں کیا ہے۔

مختصراً اردو ادب کی افسانوی تاریخ پر نظر دوڑائیں تو اس گیارہ عشروں پر محیط ہمارے افسانوی عہد میں کئی نامور افسانہ نگار ہوئے۔ بیسویں صدی میں عالمی ادبی رجحانات کا اثر ہمارے افسانوں پر بھی پڑا اور یہاں اس کے اثرات قبول کیے گئے۔ عالمی جنگوں، یہاں کے حالات اور سب سے اہم تحریک آزادی اور برصغیر کی تقسیم کے اثرات ان افسانوں میں نظر آتے ہیں تو آزادی کے بعد کے ادبی رجحانات اور اثرات بھی افسانوں میں نمایاں ہیں۔

رومانیت، اصلاح، حقیقت نگاری، ترقی پسندی، علامت نگاری، تجریدیت، وجودیت کے علاوہ تکنیکوں میں شعور کی رو، آزاد تلازمۂ خیال، خود کلامی، سادہ بیانیہ بھی ہمارے افسانوں میں نظر آتا ہے۔ دیہات بھی موضوع بنتے رہے، شہر کے مسائل سے بھی اغماض نہ برتا گیا۔ آزادی کے لیے بھی لکھا گیا۔ اور عالمی جنگوں اور اس دوران پیش آنے والے اہم واقعات کو بھی افسانوی رنگ دیا گیا۔ برصغیر کی تقسیم اور اس کے بعد فسادات اور مہاجرت کے آلام و مصائب، کرب و المیہ بھی موضوع بنے۔ اور اس کے بعد ملکی و قومی سماجی مسائل بھی یہاں کی معاشرت کے تحت موضوع بنے۔ پاک بھارت

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



جنگوں اور سقوطِ ڈھاکہ پر بھی لکھا گیا اور بیسویں صدی کے اختتام تک کے حالات کا بھی جائزہ لیا جاتا رہا۔

تاہم اس عہد میں کسی ایک افسانہ نگار کے لیے اتنے موضوعات پر لکھنا اور ان کی عکاسی کرنا آسان نہ تھا کچھ دیہات کے حوالے سے مشہور ٹھہرے تو کسی نے شہری معاشرت اور سماج کو موضوع بنایا۔لیکن یہ خطہ جسے پاکستان کہا جاتا ہے اس کی بھر پور کلچرل ترجمانی اگر کسی ایک افسانہ نگار کے ہاں نظر آتی ہے تو وہ احمد ندیم قاسمی ہیں۔ قاسمی کے افسانے خواہ تقسیم سے پہلے کے ہوں یا قیامِ پاکستان کے بعد کے، ندیم نے ہر دور میں یہاں کے کلچر کی ترجمانی اور نمائندگی اپنے افسانوں میں کی ہے۔ بلکہ اردو کا دامن کلچرل حوالے سے بھرا ہے، بطور ترقی پسند نظریہ و آدرش کے باوجود ندیم نے بنیادی مذہبی روایات کی تضحیک کیے بنا یہاں کے کلچر کو اجاگر کیا ہے۔ یہ دیہات کا کلچر ہو یا شہر کا کلچر، اس میں رومانی خیالات کی لطافت و ملائمت اور تازگی و شگفتگی ہو یا حقیقت نگاری کے سنجیدہ و سنگین موضوعات ہوں، ندیم نے پاکستانی کلچر کو اولیت دی ہے۔ ان کے یہاں مذہبی چھاپ نظر آتی ہے اور یہاں کے علاقے کے مسلمانوں کے مذہبی عقائد اور ان سے عقیدت و محبت بھی بدرجہ اتم ان میں موجود ہے۔ اپنے پون صدی کے افسانوی عہد میں ندیم نے زندگی کے سارے رخ دیکھے اور دکھائے ہیں۔ دیہات کے نسائی پہلو، مردانہ عناصر، جاگیردار، زمیندار، ذیلدار، تھانیدار بھی دکھایا ہے تو موچی، نائی، دھوبی، میراثی، مزارعہ اور دیہی مولوی اور مؤذن کی جھلک بھی ہے چرخہ، ہل، بانسری، لوک گیت، بھیڑ بکریاں، گائیں، بھینس، پہاڑیاں، بادل، وادیاں، میدان، فصلیں اور چوپال پر حقے کے کش لگاتے دہقان بھی نظر آتے ہیں۔تو شہری، معاشرت اور سماج کی مصروفیت، مشغولیت، مرعوبیت، علم و تعلیم، سرمایہ داری، بازار، پارک، ٹھنڈی سڑکیں، موٹر کاریں، بابو، کلرک، طوائف، نوکر، مالک، مالن، سیٹھ، سرمایہ دار، دیہات کے نئے شہری، بیرونِ ملک سے مرعوب طبقات، بنگلوں کی میمیں، صاحب، پام، اور گندے نالوں پر مقیم غربا بھی ان میں سانس لیتے نظر آتے ہیں۔

ندیم بطورِ پاکستانی کلچر کے نمائندہ افسانہ نگار منفرد، ممتاز، ہشت جہات اور اپنے عہد اور ماقبل اور، مابعد افسانہ نگاروں میں جداگانہ شناخت کے مالک ٹھہرتے ہیں۔ رومانی ہونے کے باوجود حقیقت نگار اور ترقی پسندی کے ساتھ ساتھ ایک پروقار پاکستانی بھی نظر آتے ہیں۔ پُر تضاد، اسلامی کلچر کی عکاسی بھی کرتے نظر آتے ہیں۔ یوں ندیم ایک خلاق، پاکستانی کلچر کے ترجمان اور منفرد و ممتاز افسانہ نگار کی کرسی پر متمکن نظر آتے ہیں۔

## حواشی

۱۔ ڈاکٹر فوزیہ اسلم، ''اردو افسانے میں اسلوب اور تکنیک کے تجربات''، (اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۰۷ء)، ص ۱۸۰

۲۔ ڈاکٹر فتح محمد ملک، ''احمد ندیم قاسمی: شاعر اور افسانہ نگار''، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۱ء)، ص ۱۵

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)




۳۔ احمد ندیم قاسمی، ''چوپال''، مجموعہ احمد ندیم قاسمی، جلد اول، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء)، ص ۳۹

۴۔ احتشام حسین، ''عالمی اردو ادب''، (دہلی: ۱۹۹۶ء)، ص ۳۸۶

۵۔ مقصود الٰہی شیخ، ''ندیم ایک پھول تھا''، مشمولہ سہ ماہی ''مونتاج''، نذرِ ندیم، شمارہ: ۲۔۱، جنوری۔اگست ۲۰۰۷ء، لاہور: اساطیر پبلشرز، ص ۱۷۴

۶۔ محمد احسن فاروقی، ''ندیم — ادیب و انساں''، مشمولہ ''ندیم نامہ''، لاہور، ۱۹۷۶ء، ص ۱۸۹

۷۔ ڈاکٹر عبدالکریم خالد، ''ان کا خلا مدتوں پر نہ ہو سکے گا''، مشمولہ سہ ماہی ''مونتاج''، نذرِ ندیم، محولۂ بالا، ص ۲۱۵

۸۔ منشا یاد، ''احمد ندیم قاسمی کے افسانے''، مشمولہ سہ ماہی ''ادبیات''، اسلام آباد، اکادمی ادبیات پاکستان، دسمبر ۲۰۰۶ء، ص ۵۷

۹۔ سعادت حسن منٹو، ''منٹو کے خطوط ندیم کے نام''، (راولپنڈی: کتاب نما، ۱۹۶۲ء)، ص ۱۰

۱۰۔ محمد خالد اختر، ''ایک آدمی احمد شاہ نامی''، مشمولہ ''افکار''، کراچی، ندیم نمبر، جنوری۔فروری، ۱۹۷۵ء، ص ۱۵۷

۱۱۔ پروفیسر قیصر نجفی، ''ایک بڑا انسان، ایک بڑا تخلیق کار''، مشمولہ سہ ماہی ''مونتاج''، نذرِ ندیم، محولۂ بالا، ص ۲۷۵

۱۲۔ ڈاکٹر فوزیہ اختر، ''احمد ندیم قاسمی کی افسانہ نگاری''، مشمولہ سہ ماہی ''معاصر'' انٹرنیشنل، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۲۸۸

۱۳۔ انتظار حسین، ''ناقابلِ تلافی نقصان''، مشمولہ ''ندیم نامہ''، (کراچی: وفاقی اردو یونیورسٹی، ۲۰۰۶ء)، ص ۸۵

۱۴۔ احمد ندیم قاسمی، ''بازارِ حیات''، مجموعہ احمد ندیم قاسمی، جلد دوم، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء)، ص ۲۰۱

۱۵۔ ایضاً، ص ۲۰۶

۱۶۔ آغا سہیل ندیم، ''ایک دلکش شخصیت''، مشمولہ ''افکار''، کراچی، محولۂ بالا، ص ۱۷۴

۱۷۔ اسلوب احمد انصاری، ''احمد ندیم قاسمی اور اردو افسانہ''، ایضاً، ص ۳۱۰

۱۸۔ ایضاً، ص ۳۳۲

۱۹۔ ڈاکٹر قمر رئیس، ''افسانہ نگار ندیم''، ایضاً، ص ۳۶۶

۲۰۔ ایضاً، ص ۳۶۶

۲۱۔ خالد عرفان، ''احمد ندیم قاسمی — ایک تاثر''، مشمولہ ''افکار''، کراچی، محولۂ بالا، ایضاً، ص ۵۲۰

۲۲۔ علی حیدر ملک، ''احمد ندیم قاسمی اور آبلے''، ایضاً، ص ۵۴۳

۲۳۔ ڈاکٹر سعادت سعید، ''پروفیسر احمد ندیم قاسمی: جذبات و افکار کا بہتا دریا''، مشمولہ ''صحیفہ''، کتاب، احمد ندیم قاسمی نمبر، (لاہور: مجلسِ ترقیٔ ادب، ۲۰۱۱ء)، ص ۱۴

۲۴۔ وہاب اعجاز خان، ''احمد ندیم قاسمی کی افسانہ نگاری''، ایضاً، ص ۵۵

۲۵۔ ڈاکٹر محمد عالم خان، ''احمد ندیم قاسمی: حالاتِ زندگی''، ایضاً، ص ۱۲۹

۲۶۔ ایضاً، ص ۱۳۰

۲۷۔ تسنیم منٹو، ''دو چار ملاقاتیں''، ایضاً، ص ۲۱۵

۲۸۔ ڈاکٹر سلیم اختر، ''احمد ندیم قاسمی: تخلیقی شخصیت''، ایضاً، ص ۲۰۸

۲۹۔ نند کشور وکرم، ''احمد ندیم قاسمی: ایک ہشت پہلو شخصیت''، ایضاً، ص ۱۵۱

۳۰۔ احمد ندیم قاسمی، ''بازارِ حیات''، مجموعہ احمد ندیم قاسمی، جلد دوم، محولۂ بالا، ص ۲۵۵

۳۱۔ ایضاً ''سناٹا''، ایضاً، ص ۸۰۷

۳۲۔ رفعت سروش، ''احمد ندیم قاسمی''، مشمولہ ''صحیفہ''، محولۂ بالا، ص ۲۵۵

ISSN: 2519-6332 (Print),    ISSN: 2708-1915 (Online)



۳۳۔ احمد ندیم قاسمی، ''ادیب اور مملکت''، ایضاً، ص ۴۰۷

## مآخذ


۱۔ اسلم، فوزیہ، ڈاکٹر، ''اردو افسانے میں اسلوب اور تکنیک کے تجربات''، اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۰۷ء

۲۔ حسین، انتظار، ''ناقابلِ تلافی نقصان''، مشمولہ ''ندیم نامہ''، کراچی: وفاقی اردو یونی ورسٹی، ۲۰۰۶ء

۳۔ فاروقی، محمد احسن، ''ندیم — ادیب و انساں''، مشمولہ ''ندیم نامہ''، لاہور، ۱۹۷۶ء

۴۔ قاسمی، احمد ندیم، ''چوپال''، مجموعہ احمد ندیم قاسمی، جلد اول، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء

۵۔ ______، ''بازارِ حیات''، ایضاً

۶۔ ______، ''سناٹا''، ایضاً

۷۔ ملک، فتح محمد، ڈاکٹر، ''احمد ندیم قاسمی: شاعر اور افسانہ نگار''، لاہور سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۱ء

۸۔ منٹو، سعادت حسن، ''منٹو کے خطوط ندیم کے نام''، راولپنڈی: کتاب نما، ۱۹۶۲ء


## رسائل و جرائد


۱۔ سہ ماہی ''ادبیات''، اسلام آباد، دسمبر ۲۰۰۶ء

۲۔ ''افکار''، کراچی، ندیم نمبر، جنوری۔فروری، ۱۹۷۵ء

۳۔ ''صحیفہ''، کتاب، احمد ندیم قاسمی نمبر، لاہور: مجلسِ ترقی ادب، ۲۰۱۱ء

۴۔ ''صحیفہ''، کتاب، احمد ندیم قاسمی نمبر، لاہور: مجلسِ ترقی ادب، ۲۰۱۱ء

۵۔ ''عالمی اردو ادب''، دہلی: ۱۹۹۶ء

۶۔ سہ ماہی ''معاصر'' انٹرنیشنل، لاہور، ۲۰۰۸ء

۷۔ سہ ماہی ''مونتاج''، لاہور، شمارہ: ۲۔۱، جنوری۔اگست ۲۰۰۷ء، اساطیر پبلشرز